© rasailojaraid.com

تلخیص و ترجمہ

عربی زبان کی تعلیم

یورپ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں میں

ڈاکٹر امیر بقطر نے جو قاہرہ کے ایک کالج کے سرپرست ہیں۔ یورپ و امریکہ کی یونیورسٹیوں کی سیاحت کی تھی اور اُن میں عربی ادب و زبان کی تعلیم جن طریقوں پر دی جاتی ہے اُن کا بامعان نظر مشاہدہ کیا تھا۔ اُن کے یہ مشاہدات و تاثرات الهلال میں شائع ہوئے تھے۔ ہم ذیل میں اُس کا ملخص ترجمہ پیش کرتے ہیں تاکہ ہمارے قدیم مدارس عربیہ کے علماء ادب اس کو پڑھ کر عبرت پذیر ہوں اور وہ یہ سمجھ لیں کہ یورپ ہمارے علوم سے کس درجہ دلچسپی رکھتا ہے اور اُس کا ذوق تحقیق و جستجو کس قدر ترقی کر چکا ہے۔ اس کے بالمقابل عربی زبان و ادب کے ساتھ ہمارے والہانہ عشق کا منتہا صرف اس قدر ہے کہ تین چار پُرانی درسی کتابیں ادب کی پڑھ لیں اور اُن کو بر نوک زبان کر لیا، اس کے بعد اللہ بس و ما باقی ہوس کا ورد شروع کر دیا اور ادب کی اس ناقص تعلیم کے بل بوتے پر ہی قرآن و حدیث کی تفسیر و تشریح کے حق کا ادعاء کرنے لگے۔

یورپ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں میں عربی زبان کی جو تعلیم دی جاتی ہے اُس کی حیثیت قریب قریب خالص علمی اور تحقیقی ہے۔ اور ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ ان یونیورسٹیوں میں عربی کو ادبی اہمیت کچھ زیادہ حاصل نہیں ہے۔ اگرچہ یہ حیثیت بالکل معدوم بھی نہیں۔ خالص علمی اور تحقیقی حیثیت سے غرض یہ ہے کہ ان یونیورسٹیوں میں عربی زبان کی تعلیم اس لیے دی جاتی ہے کہ اس کے ذریعہ وہ قدیم مخطوطات کو گوشۂ گمنامی سے نکال کر منصۂ ظہور و شہود پر لائیں۔ قیمتی تاریخی اور اجتماعی معلومات فراہم کریں۔ دقیق سے دقیق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علمی بحث وتحقیص میں پُرانی عربی کتابوں سے امداد لیں۔ اور اُن علمی حقائق کو بر روئے کار لائیں جو عربی کے نادر ونایاب لٹریچر میں بھرے پڑے ہیں۔ یہ لوگ نادر نادر کتابوں کا کھوج لگاتے ہیں۔ برسوں تک ایک ایک کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں۔ پھر بڑی جانفشانی سے اُسے اڈٹ کرتے ہیں، ابواب کی ترتیب قائم کرتے ہیں۔ جن حوالوں کا ذکر ہوتا ہے اُن کا پتہ چلاتے ہیں، فہرستیں مرتب کرتے ہیں۔ فہرست مضامین الگ، فہرست اسمار، واعلام الگ۔

میں نے مختصر سیاحت میں مندرجہ ذیل یونیورسٹیاں دیکھیں۔ یونیورسٹی نیپلز، پیرس، برلن، ہمبرگ، لندن، آکسفورڈ، اڈنبرا، کولمبیا (نیویارک) ہرفورڈ، مبرسٹون، شکاگو، ہرٹفورڈ۔ ان یونیورسٹیوں میں میں نے دو چیزیں بین طور پر مشاہدہ کیں۔ ایک یہ کہ ان میں عربی کا جو ڈپارٹمنٹ ہے اُس میں بہ نسبت اور محکموں کے تواضع وانکسار زیادہ پایا جاتا ہے۔ پھر یہاں کی فضا میں ایک خاص قسم کی سنجیدگی اور متانت ہوتی ہے جو دوسرے شعبوں میں نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس شعبہ میں طلبار کی تعداد کم ہوتی ہے جو لوگ اس میں انتہائی ڈگری لے کر نکلتے ہیں وہ کم ہوتے ہیں۔ ان میں میں نے زیادہ عمر کے لوگ اور کئی ایک لانبی داڑھی والے بھی دیکھے جن کو ظاہری زیب وزینت کا کچھ زیادہ اہتمام نہیں ہوتا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ یہاں عربی کے طلبار کو طالب علم (Student) نہیں کہا جاتا بلکہ اُنہیں اسکالر (Scholar) یا اورنٹیلسٹ (Orientalist) کہا جاتا ہے۔ اُن کا یہ لقب باعتبار تقدم ہوتا ہے نہ کہ باعتبار حال۔

دوسری چیز یہ ہے کہ مشرقی علوم کے شعبہ (Orientalist faculty) کی تمام فضا پر ایک خاص قسم کا علمی وقار چھایا رہتا ہے۔ جس میں علمی بحث وگفتگو کی ہلکی ہلکی آوازیں سُننے میں آتی رہتی ہیں اس شعبہ میں کام کرنے والے جن اوصاف سے متصف ہوتے ہیں اُن میں زہد، ایثار، جفاکشی، یکسوئی اور اطمینانِ قلب زیادہ نمایاں ہوتے ہیں۔ جس کمرہ میں صدر شعبہ بیٹھتا ہے وہ تمام قیمتی مخطوطات اور نادر کتابوں کے انبار سے پُر ہوتا ہے۔ پھر کام کرنے کے اوقات میں آپ جائینگے تو دیکھینگے کہ صدر شعبہ اور اُس کے معاون

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سب زرد اور بوسیدہ کاغذوں پر جھکے ہوئے ہیں، ایک ایک لفظ کو بغور پڑھ رہے ہیں عینکیں اُن کی آنکھوں
لگی ہوئی ہیں، اُن کے سامنے نادر صفحات کے فوٹو رکھے ہوئے ہیں، جن کو بڑی کوشش و محنت سے عالم
عربی کے دور دراز گوشوں سے فراہم کیا گیا ہے، طلبار کی کمی اس فضا کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتی کیونکہ
یوں علمی بحث اور ریسرچ کے حلقے ہمیشہ بہت ہی کم افراد پر مشتمل ہوتے ہیں۔ یہ تو خیر عربی کا شعبہ ہی ہے،
آپ علم کیمیا، فلکیات اور طب کے محکموں کو دیکھینگے تو اُن میں بھی ریسرچ کا کام کرنے والے تھوڑی ہی
تعداد میں ملینگے۔ ایک یونیورسٹی میں ایسے محققین کی تعداد مشکل سے تین یا چار سے متجاوز ہوتی ہوگی۔

یونیورسٹیوں کے یہ علمائے مستشرقین دوسرے اور بڑے پروفیسروں کی طرح اپنے اوپر تمام یونیورسٹی
کا پورا اعتماد اور بھروسہ رکھتے ہیں۔ یہ اپنے کام میں بالکل آزاد ہوتے ہیں۔ نہ ان کے لیے روزانہ کوئی
مقررہ اوقات ہیں اور نہ مہینوں میں ان کے لکچروں کی تعداد معین ہوتی ہے۔ ان کو اس بات کی پوری
آزادی ہوتی ہے کہ سال کے چند مہینے تھوڑے یا بہت اپنی یونیورسٹی میں گذاریں اور بقیہ مہینے بغداد
دمشق، قدس، قاہرہ، بلاد الجزائر، ٹیونس مراکش، اندلس، یا کسی اور ایسے عربی یا یوربین شہر میں گذاریں۔
جہاں سے اُنہیں اپنے موضوع کے لیے تحقیق کا سامان ملنے کی توقع ہو۔ یہ پروفیسر ان شہروں میں آکر
قدیم اور نادر کتابیں اور مخطوطات بھاری قیمتوں پر خریدتے ہیں، اور اُن کو حاصل کرنے کے لیے
دکان دکان گھومتے ہیں اور جگہ جگہ کی خاک چھانتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک محقق صرف ایک
کتاب کی تصنیف و تالیف یا ترتیب و تدوین پر تیس یا چالیس برس خرچ کر دیتا ہے۔ گویا اُس کی زندگی
بھر کی تحقیق کا سرمایہ صرف یہی ایک کتاب ہوتی ہے۔ پھر یونیورسٹی کا حوصلہ دیکھیے کہ وہ اس کو شائع
کرتی ہے اور پورے اہتمام و انتظام کے ساتھ، اور یہ جانتے ہوئے کہ اس کتاب کو بہت ہی کم لوگ
پڑھینگے اور خریدینگے لیکن اس کے باوجود وہ اپنے کام پر خوش ہوتی ہے، اور وہ سمجھتی ہے کہ اس کتاب
کو شائع کر کے اُس نے سالہا سال کی علمی تحقیق کے نتائج کو محفوظ کر دیا ہے۔ اور اس لائن پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرے کام کرنے والوں کے لیے سہولت و آسانی بہم پہنچا دی ہے۔ یورپ اور امریکہ کی یونیورسٹیاں اچھی طرح جانتی ہیں کہ اُن کا کام محض تعلیم نہیں بلکہ اولاً علمی تحقیق کے وسائل و ذرائع مہیا کرنا ہے، اور پھر اُن تحقیقات کے نتائج کی حفاظت و اشاعت کرنا ہے۔ تاکہ آنیوالی نسلیں اُن سے استفادہ کر سکیں۔

یہ علمائے مستشرقین عہد حاضر کی کتابوں اور رسائل و جرائد کے ساتھ زیادہ اعتنا نہیں کرتے۔ انہیں تو بس پُرانی اور قلمی کتابوں کی دُھن ہوتی ہے۔ میں نے ایک مرتبہ اپنے ایک دوست سے یہ شکایت کی تو وہ کہنے لگا کہ "آج کل کے اخباروں کی زبان میں عربیت کے بجائے عجمیت کا رنگ زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ پھر اُن کے پڑھنے اور مطالعہ سے فائدہ کیا ہے"۔ مجھ کو اس وقت بڑی ہنسی آتی تھی جب کوئی میرا مستشرق دوست میرے پاس ایک زرد رنگ کے بوسیدہ کاغذ کا ٹکڑا لے کر آتا تھا جو کسی پُرانی کتاب کے فوٹو گراف سے منقول ہوتا تھا اور ہاتھ سے لکھا ہوتا تھا۔ یہ دوست مجھ سے فرمائش کرتا تھا کہ میں اُس ٹکڑے کی عبارت کے پڑھنے میں اُس کی امداد کروں۔ میں کہتا کہ مجھے اس کی عادت نہیں ہے۔ اور نہ میں نے کبھی اس کی مشق کرنے کی کوشش کی۔ مستشرق دوست کو یہ سُن کر بڑا تعجب ہوتا تھا۔

جیسا کہ میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ یونیورسٹی کو ان اساتذہ پر اتنا اعتماد ہوتا ہے کہ وہ اُن سے اُن کی تحقیق کے نتائج کو جلد شائع کرنے یا یونیورسٹی کے سامنے پیش کرنے پر اصرار نہیں کرتی جس طرح ایک عالم طبیعات صرف ایک بیماری کا کامیاب علاج دریافت کرنے میں یا کسی ایک جرثومہ کی حقیقت معلوم کرنے پر اپنی عمر کا بڑا حصہ صرف کر دیتا ہے، اسی طرح بعض مستشرق ایک کلمہ یا ایک عبارت کی اصلیت معلوم کرنے پر عمر کا قیمتی حصہ صرف کر دیتے ہیں۔ ممکن ہے آپ کو ان علماء کے اس غیر معمولی انہماک اور صبر و استقلال پر ہنسی آجائے لیکن یہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ تمدن جدید کی شاندار عمارت انہی کی محنتوں اور دماغی کاوشوں پر قائم ہے۔ اگر فرصت ہوتی تو میں اس مضمون میں پروفیسر نللیتو (نیپلز)، شاخت (برلن) اور مارگولیوتھ اور دوسرے مستشرقین جو اڈنبرا، کولمبیا، اور پرنسٹین کی یونیورسٹیوں میں کام کر رہے ہیں۔ اُن کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حالات زندگی پر روشنی ڈالنا، لیکن اب یہ آسان نہیں ہے، اس لیے مختصراً چند باتیں لکھتا ہوں۔

(۱) اس میں کوئی شبہ نہیں کہ گذشتہ سنین میں عربی ادب وزبان اور تاریخ اسلامی کی تعلیم نے سیاسی، اقتصادی، اور استعماری حیثیت سے عالم کی نظریں عربی ممالک کی طرف مرکوز کردی ہیں یہ ایک عام مشاہدہ ہے کہ اسی بنا پر بعض یونیورسٹیوں مثلاً اطالوی یونیورسٹی نے عربی جدید کا بھی انتظام کیا ہے۔ تاکہ اُس کے ذریعہ اطالیہ موجودہ عربوں کے عادات وخصائل، اور اُن کے طبعی رجحانات کو سمجھ سکے۔ اس کوشش کا ہی ایک ثمرہ یہ ہے کہ آج آپ دیکھتے ہیں متعدد یورپین ممالک سے ریڈیو کے ذریعہ عربی پروگرام نشر ہوتے ہیں۔

(۲) جرمنی کے علاوہ جہاں سامیت اور عنصریت (Racial Superiority) کا سوال پیدا کر دیا گیا ہے۔ اور اس وجہ سے اب وہاں عربی درس وتدریس کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی، باقی تمام مغربی ممالک میں عربی تعلیم اور اسلامی علوم میں ریسرچ کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے اور اُس کو بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

(۳) اہل مغرب عربی لٹریچر کے ساتھ جو اس درجہ اعتنا کرتے ہیں اُس کی وجوہ مختلف ہیں بعض لوگ اس زبان کو تجارتی اغراض کے ماتحت سیکھتے ہیں۔ کیونکہ انہیں بسلسلۂ کاروبار عربی ممالک میں جانا پڑتا ہے۔ میرے نزدیک اسی گروہ میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو سرکاری ملازمت کے لیے عربی زبان کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ لیکن علمی اعتبار سے اس قسم کے لوگ لائقِ ذکر نہیں۔ البتہ وہ لوگ جو خالص علمی نقطۂ نظر سے عربی لٹریچر کا مطالعہ کرتے ہیں وہ ہمارے موضوعِ کلام میں شامل ہیں۔ ان میں بعض تو وہ ہیں جو عربی کا مطالعہ محض اس لیے کرتے ہیں کہ اُسے عبرانی زبان کے ساتھ اتصال قوی ہے۔ جس سے تورات کا ترجمہ عربی میں اور دوسری سامی زبانوں میں ہوا ہے۔ اس نوع میں علماءِ مسیحیت اور یہود برابر کے شریک ہیں۔ انھی میں بعض وہ لوگ ہیں جو مذاہب کا تقابلی مطالعہ (Comparative study)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے کی غرض سے عربی زبان سیکھتے ہیں۔

ان کے علاوہ وہ حضرات جو محض علمی ذوق کی وجہ سے عربی ادبیات کا مطالعہ کرتے ہیں اُن کا علمی شغف و انہماک اس درجہ بڑھا ہوا ہوتا ہے کہ شاید قارئین کرام اُن کے دیکھے بغیر اُس کا صحیح اندازہ کر بھی نہیں سکتے۔ مجھ کو خوب یاد ہے کہ ۱۹۳۵ء میں جب میں بسلسلہ سیاحت نیویارک میں مقیم تھا تو ایک عربی کے ریسرچ اسکالر امریکن نے ایک دن میری دعوت کی، میں اُس کے مکان پر پہنچا تو دیکھا کہ ایک عمدہ اور سجا ہوا مکان ہے، اور اُس کے وسط میں پُر فضا باغ ہے۔ میرے وہاں پہنچتے ہی میرا میزبان کھانے سے قبل مجھ کو نیچے کی منزل میں لے آیا۔ اس منزل میں ایک وسیع ہال تھا جو عربی کی ہزاروں نادر کتابوں سے بھرا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ نیچے زمین سے لے کر چھت تک ایک بالشت جگہ بھی ایسی نہ تھی جو کتاب سے خالی ہو۔ دیواروں سے لگی ہوئی الماریوں کے علاوہ میزوں اور کرسیوں پر بھی پُرانی اور نادر کتابیں پھیلی پڑی تھیں، میں نے اُن کو اُلٹ پلٹ کر دیکھا تو یہ معلوم کر کے میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ یہ سب کتابیں شریعت اسلامیہ سے متعلق تھیں، اس نوجوان سے مجھ کو پہلے سے کوئی تعارف نہیں تھا اور اُس نے میری دعوتِ طعام محض اس لیے کی تھی کہ میری مادری زبان عربی تھی۔ بعد میں مجھ کو معلوم ہو گیا کہ اس نوجوان کا خاص ذوق شریعتِ اسلام کا مطالعہ ہے۔ چنانچہ جب ہم کھانا کھانے بیٹھے تو اس نوجوان کی گفتگو کا واحد موضوع عرب اور اُن کی پُرانی تہذیب تھا۔ اس گفتگو میں نوجوان کے ساتھ اُس کی بیوی اور گھر کی دوسری لڑکیاں بھی شریک تھیں۔ یہ مجھ سے کثرت سے عربوں سے متعلق سوالات کرتی رہیں۔ اور جب میں جواب دیتا تھا تو وہ ہمہ تن متوجہ ہو کر سنتی تھیں۔ طویل گفتگو کے بعد جب میں اس مکان سے رخصت ہوا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں اب تک نیویارک میں نہیں بلکہ قاہرہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ اگرچہ میں نہیں جانتا کہ تمام قاہرہ میں کیا تمام مصر میں بھی احمد زکی پاشا کے کتب خانہ کے سوا کسی اور کے پاس اس امریکن نوجوان کا سا عالی شان کتب خانہ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح میں کولمبیا یونیورسٹی کے ایک نہایت لائق وقابل پروفیسر ریاضی کو جانتا ہوں جو ریاضیات کا ماہر ہونے کے باوجود عربی اور فارسی ادبیات کا بڑا گرویدہ ہے۔ اس پروفیسر نے اپنے شوق کی تکمیل کے لیے اپنی تمام ثروت و دولت خرچ کر کے عرب اور ایران کے شہروں کی سیاحت کی اور دونوں زبانوں کی نادر ونادر اور نفیس کتابیں خریدکیں، اُس کے شوق روزافزوں کا اب نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اُس کا تمام گھر عربی اور فارسی کی بیش قیمت کتابوں کا نمائش گاہ بن گیا ہے۔ میں جب کبھی امریکہ جاتا ہوں اس پروفیسر سے ضرور ملاقات کرتا ہوں۔ اور ہر مرتبہ اس کے کتب خانہ میں بعض نئی اور نادر چیزیں دیکھتا ہوں۔ ان کتابوں میں قرآنِ مجید کے نسخوں کی بھی خاصی تعداد ہے جو سب کے سب زرنگار ہیں اور اُن پر خوبصورت طلائی کام ہو رہا ہے۔ اس پروفیسر کا حُسنِ مذاق دیکھیے کہ اُس نے قرآنِ مجید کے ان نسخوں کو نہایت سلیقہ اور قرینہ سے خوبصورت جزدانوں میں ملبوس کر کے کمرہ کی دیواروں سی لگی ہوئی الماریوں میں بحفاظت تمام رکھا ہے۔ اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ قرآن مجید کے ہر نسخہ پر ایک بجلی کا قمقمہ بھی ایک لانبی قطار کی صورت میں آویزاں کر دیا ہے۔ جب کوئی شخص اس کمرہ میں ان نسخوں کی زیارت کے لیے داخل ہوتا ہے تو کمرے کے تمام قمقمے یک بیک روشن ہو جاتے ہیں اور روشنی کی ان لانبی قطاروں کے نیچے سے قرآن مجید کے مطلّا و مذہب نسخے اپنے خوبصورت جزدانوں سمیت جلوہ نما ہوتے ہیں۔

© rasailojaraid.com